جناب اختر راہی، بی۔ اے

مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ

ایک عہد
ایک شخصیت
ایک تاریخ

تحریکِ مجاہدین
کا
ایک جانباز

۲۰ مئی ۱۸۶۴ کا دن ہے اور انبالہ شہر کی عدالت۔ اس عدالت میں بیسیوں مقدمات سنے گئے اور سینکڑوں افراد کی موت وحیات کے فیصلے ہوئے، لیکن کبھی اس قدر ہجوم خلق نہ ہوا۔ آج عدالت کے صحن میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے۔ جدھر نگاہ اٹھائیے، انسانوں کا ایک سمندر موجزن ہے۔ اس سمندر کے ہر فرد کے چہرے پر یاس و مسرت کی دوگونہ آویزش ہے۔ ہر طرف باغیوں کا ذکر ہے۔ دو چار افراد ان نادانوں کی "نادانی" پر ناصحانہ رنگ میں تنقید فرما رہے ہیں۔ لیکن اکثر و بیشتر زبانیں ان نادانوں کی "دانائی و فرزانگی" کے تذکرے میں مشغول ہیں۔ کیوں نہ ہو۔؟ جبکہ ان نادانوں نے ہزارہا سینوں میں وہی آگ بھر دی ہے جس سے وہ خود بے کل ہیں۔

انگریز جج شہر کے چار قانونی مشیروں کے ساتھ انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہے مشیروں کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی صورتیں رہائی پا جائیں لیکن اپنی آرزو کے علی الرغم جج کی خوشنودی کے لئے فیصلے پر دستخط کر دیتے ہیں۔ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوئے مجاہد، جن کے چہرے سجدوں کے نور سے منوّر اور دل سکینت و طمانیت سے لبریز ہیں۔ ان کا جرم یہ بتایا گیا ہے، کہ انہوں نے سرکار انگریزی کے خلاف بغاوت کی ہے۔ سید احمد شہیدؒ کے جانباز عقیدتمندوں سے تعاون کیا ہے اور اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر سرحد پار مجاہدوں کے لئے اسلحہ اور سامان رسد بھیجا ہے، وہ مجاہدین جنہوں نے سرحد پر شورش مچا رکھی ہے۔ انگریزی سرکار کو دم نہیں لینے دیتے۔ ان کی

امداد کرکے ملک کے استحکام کے درپے ہوئے ہیں۔

انگریزی سرکار کو ان کی مخالفانہ سرگرمیوں کا علم ہوگیا ہے، وہ جانتی ہے کہ ان کے درمیان ایک خفیہ زبان بولی جاتی ہے۔ اشاروں اور کنایوں میں بات کی جاتی ہے۔ صادق پور (پٹنہ) سے لیکر سرحد تک ان کے کارندے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور رازداری کا یہ عالم ہے کہ راز کی پاسداری کے لئے جان قربان کر دینا ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ سرکار کے عظیم نقصان کا باعث یہی صائم بالنہار وقائم باللیل۔ (دن کو روزہ دار اور رات کو عبادت گذار) "مجرم" ہیں۔

انگریز جج دل ہی دل میں خوش ہے، جس کا اظہار متبسم ہونٹوں اور بشاش چہرے سے ہوتا ہے۔ آج وہ ان مجرموں کو ایسی سزا دینے والا ہے کہ آئندہ کوئی "مجنون" انگریزی سرکار سے ٹکر نہیں لے گا۔ ممکن ہے سزا کا حکم سنتے ہی یہ "مجرم" کانپ اٹھیں، ان پر لرزہ طاری ہو جائے، عفو و درگزر کے خواستگار ہوں، اور رازِ دروں سے پردہ فاش کر ڈالیں۔

عدالت پر تمام نگاہیں مجرموں پر جمی ہوئی ہیں۔ اور حاضرین کان لگائے فیصلے کے منتظر ہیں۔ انگریز جج کرسی سے اٹھتا ہے، تہور آمیز لہجے میں ایک خوبرو نوجوان سے مخاطب ہے جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے کی بجائے صبر و استقامت کا غازہ ہے۔ اس کے بشرے سے خاندانی نجابت ٹپک رہی ہے۔ اس کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے الفاظ کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے موتی معلوم ہوتے ہیں، اس کی آواز میں کوئی ارتعاش نہیں بلکہ انگریزی سرکار کے لئے ایک خندۂ استہزا ہے۔ جج نے اس سے کہا:

"جعفر! تم عقل مند تھے، تمہارا شمار شہر کے شرفاء میں ہوتا تھا، پڑھے لکھے تھے اور پھر ملک کے قانون سے واقف تھے۔ لیکن اس کے باوجود تم نے اپنی صلاحیتیں انگریزی سرکار کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں صرف کیں۔ تم نے سرحد پار مجاہدوں کو اسلحہ اور سامانِ رسد فراہم کیا۔ تم نے برائے نام بھی سرکار کی حمایت نہ کی۔ بار بار کی فہمائش کے باوجود تمہارے اس جنون میں اضافہ ہوتا رہا۔ تم نے سرکار کو فریب دیا، اور ملک کی سالمیت و استحکام کے لئے خطرہ بنے ـــــ ان ناقابلِ معافی جرائم کی بنا پر ہم تجھے پھانسی کی سزا دیتے ہیں، تمہاری جائیداد ضبط کر لی جائیگی اور تمہاری لاش تمہارے وارثوں کے حوالے کرنے کی بجائے ذلت آمیز طریقے سے بدبختوں کے قبرستان میں

گاڑھ دی جائے گی، میں تجھے پھانسی کے تختے پہ لٹکتے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔"

حاضرین فیصلہ سن کر مبہوت رہ گئے کہ آج فطری حق، آزادی کا نام لینا درحقیقت تختۂ دار کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور صدمے نے بے کل کر دیا۔ لیکن جواں سال جعفر وقار و تمکنت کی تصویر بنا یہ تہور آمیز خطاب سن رہا تھا۔ اس کا چہرہ پھول کی طرح مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نرگس کو شرما رہی تھیں، اور دل سکینت و طمانیت سے لبریز تھا۔ جج نے اپنی فرحت و انبساط سمیٹتے ہوئے بات ختم کی ہی تھی کہ نوجوان کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی:

"جان دینا اور جان لینا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہتا ہے زندگی سے سرفراز کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ مسٹر جج! تمہارے ہاتھ میں زندگی ہے نہ موت۔ لیکن میرا رب العزت اس پر قادر ہے کہ میرے تختۂ دار پر جانے سے پہلے تمہیں ہلاک کر ڈالے۔"

نوجوان کی صاف گوئی سے جج تلملا اٹھا، لیکن کر ہی کیا سکتا تھا، وہ تو اپنی بساط کا آخری مہرہ چلا چکا تھا، اور اپنے ترکش کا آخری تیر پھینک چکا تھا۔ وہ غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا، لیکن جعفر مسرور و شادماں تھا، جیسے اس ہفت اقلیم کی جہانبانی مل گئی ہو۔ اس کی کیفیت ایسی تھی کہ گویا جنت کے باغوں کی سیر کر رہا ہو اور ہر لمحہ مسرت و انبساط میں تحلیل کر رہا ہو۔

یہ جعفر نامی باغی نوجوان کون تھا؟ جسے سرکار انگریزی کا تہور مرعوب نہ کر سکا اور عدالت کا رعب بے اثر ثابت ہوا۔ وہ مجاہد شب زندہ دار جس کے الہامی الفاظ سچ ثابت ہوئے کہ موت کا فیصلہ سنانے والا پہلے خود ہی موت کا لقمہ بن گیا، اور موت کی آرزوؤں میں تڑپنے والا اپنا افسانہ زندگی "کالا پانی" کے نام سے سنانے کیلئے زندہ رہ گیا۔

یہ بیباک نوجوان قصبہ تھانیسر (ضلع انبالہ) کا رہنے والا تھا، رائیں قبیلے کے صاحب جائیداد میاں جیون کا بیٹا تھا۔ ابھی لڑکپن ہی تھا کہ چشم فلک نے والد کی وفات دکھائی۔ غالباً اہل حوصلہ کی تربیت کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ وہ کسی فرد فانی پر انحصار کے بجائے اللہ پر توکل رکھیں۔ والدہ نے تربیت کی۔ لڑکپن ہی میں عابدہ و زاہدہ ماں کی تربیت کے طفیل تہجد گزار بن گیا اور نماز کا ایسا عادی ہوا کہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے کھڑے اشاروں سے نماز ادا کر لی۔

لڑکپن آزاد روی میں گزرا جاتا تھا کہ حصولِ تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ اور جلد ہی مروّجہ تعلیم سے فارغ ہوگیا۔ قرآن کا مطالعہ کیا، احادیث ازبر کیں اور طب سے واقفیت بہم پہنچائی۔ لڑکپن تو آزاد روی کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن لڑکپن میں یہ دینی انہماک غالباً اس ناخواندہ ماں کی صحبت کا اثر ہے جس نے سانپ کے کاٹے کے لئے مشرکانہ رسوم سے گھر کو آلودہ نہ ہونے دیا "توحید" کا درس دینے والی وہ ذی شان خاتون درس دے گئی۔ کہ "خدا سے ڈرو کہ خدا کا خوف دنیا کے ناخداؤں کے خوف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

مروّجہ تعلیم کے بعد مقامی عدالتوں میں عرائض نویسی شروع کر دی اور اس کوچہ کی "گرد اڑائی" کی بدولت جلد ہی وہ مقام حاصل کر لیا کہ وکلاء عرائض نویس سے قانونی مشورے لینے لگے اور ولیم، ولسن ہنٹر کے بقول قرب وجوار کے زمینداروں کا قانونی مشیر بن گیا۔ یہی بادیہ پیمائی عدالت میں کام آئی، وکیلوں کا سہارا لینے کی بجائے اپنی قوتِ خداداد اور استخراج نکات پر بھروسہ کیا اور گواہوں سے جرح کر کے انہیں لاجواب کر دیا۔

۱۸۳۱ء میں تحریکِ مجاہدین بظاہر بالاکوٹ کی پہاڑیوں میں سوگئی، لیکن حریّت کے پروانے سید شہیدؒ کے مقدس مشن کو جاری رکھنے کے لئے "تنڈیاڑہ" میں جمع ہوئے اور اپنا امیر چن لیا۔ شہادتِ سیّد کے بعد تحریک کے دو مراکز بنے، دہلی اور صادق پور پٹنہ۔ اس نوجوان کا تعلق پٹنہ سے تھا، ہنٹر کی رائے کے مطابق مولوی یحییٰ علی صادق پوری کی ترغیب پر جہاد میں شریک ہوا۔ وہ نوجوان جانتا تھا کہ جس راہ کا انتخاب وہ کر رہا ہے، وہ پھولوں کی سیج نہیں ہے بلکہ اس راہ کے کانٹے پلکوں سے چننے پڑتے ہیں۔ اسی خیال کی وجہ سے بوقتِ نکاح پوری جائیداد بیوی کے حق مہر میں لکھ دی۔

تھانیسر، پٹنہ اور سرحد کے درمیان ایک اہم "قلعہ" تھا۔ یہیں "پیر و خان" یا "پیر و خلیفہ" مولوی محمد جعفر سے بھیس میں کام کر رہا تھا۔ تھانیسر ایک ہی وقت میں بیت المال اور ریکروٹنگ آفس تھا۔ یہ خاموش اور "پیر و خلیفہ" کے پردے میں کام کرنیوالا نوجوان شیخ الکل میاں نذیر حسین سے متعارف تھا، کیونکہ ۱۸۶۵ء میں راولپنڈی میں نظر بند مولوی نذیر حسین کے کاغذات میں سے جعفر تھانیسری کے تین خطوط بھی نکلے تھے۔

حکومت کو ٹوہ ملی کہ یہی وہ خطرناک شخص ہے جسکی بدولت انگریزی سرکار کا کثیر مالی و جانی نقصان ہو رہا ہے۔ تو ۱۲ر دسمبر ۱۸۶۳ء کو خانہ تلاشی ہوئی۔ نوجوان فرار ہوگیا۔ اس کی گرفتاری

کے لئے دس ہزار روپے کا انعامی اشتہار شائع ہوا۔ آخر علی گڑھ سے گرفتار ہوا، اور انبالہ لایا گیا۔ انبالہ جیل کی کوٹھڑیاں اور سختیاں جھیلیں اور عدالت انبالہ میں پیش ہوتا رہا۔ ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو انگریز جج نے سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلے کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا اور ہائی کورٹ نے سزائے موت کو حبس دوام بعبور دریائے شور سے بدل دیا۔

دسمبر ۱۸۶۴ء کو ہائی کورٹ کا فیصلہ سنایا گیا۔ اس وقت مجاہد شب زندہ دار انبالہ جیل کی تنہائیوں میں پڑا انگریزی حکومت کی سختیاں برداشت کر رہا تھا۔ آخر فروری ۱۸۶۵ء کو انڈیمان کے لئے رخت سفر باندھا گیا۔ راستے میں لاہور، ملتان، ٹھٹھہ، کوٹڑی، کراچی کی جیلوں میں معمولی قیام کیا۔ کراچی میں مہینہ بھر قیام رہا۔ اور ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو سرزمین انڈیمان پر قدم رکھا۔ اور تابناک زندگی کا ایک نیا باب لکھنا شروع کیا۔

ورود انڈیمان کے وقت یہ نوجوان زندگی ۲۷ ویں بہار دیکھ رہا تھا، شاید مجاہدوں کی زندگی میں بہاریں جیل کی سختیاں اور اذیتیں لیکر آتی ہیں ــــ پڑھے لکھے تو تھے ہی، لہذا چیف کمشنر کے دفتر میں میر منشی ہو گیا۔ اب بیڑیاں کٹ گئیں، زنجیریں ٹوٹ گئیں اور ہنسی خوشی حبس دوام کا دور شروع ہوا۔

اہل و عیال کو وطن سے بلانے کی کوشش کی لیکن انگریزی سرکار کو یہ "عیاشی" ناگوار گذری۔ ایک قیدی کو یہ سہولت و راحت کیسے دی جائے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ مل بیٹھے۔ جب انگریزی سرکار نے اجازت نہ دی تو وہیں مولوی یحییٰ علی کی مرید ایک کشمیری خاتون سے نکاح کر لیا۔ ۱۵ اپریل ۱۸۷۰ء کو الموڑہ (ALMORA) کی برہمن زادی سے شادی ہوئی۔

جزائر انڈیمان کی اسارت میں کسی رام سروپ نامی ہندو سے انگریزی زبان سیکھ لی۔ اور انگریز چیف کمشنر کی نگاہوں میں مقام پیدا کر لیا۔ یہ وہ نوجوان تھا جسے انگریزی اقتدار ایک آنکھ نہیں بھایا۔ اور غالباً پہلا مرد مجاہد تھا جس نے انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی۔

۱۵ اگست ۱۸۸۲ء کو مولوی عبدالرحیم صادق پوری کی بیوی مسماۃ جمیلہ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لئے درخواست گزاری جس پہ وہابی کیس زیر بحث آیا اور لبرل لارڈ رپن نے وہابی کیس میں ماخوذ جملہ ملزمین کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس کی اطلاع مولوی جعفر کی بیوی کو پانی پت میں ۳۰ دسمبر ۱۸۸۲ء کو مل گئی۔

۲۲ جنوری ۱۸۸۳ء کو رہائی کا حکم صادر ہوا۔ مگر الموڑے کی بیوی کو عمر قید کی سزا تھی، اور بیوی کی سزا کے صرف ۱۴ سال گزرے تھے۔ بیوی کی رہائی کی درخواست دی اور یکم مئی ۱۸۸۳ء کو بیوی کی رہائی کا حکم ملا۔ آخر اپنی رہائی کے چھ ماہ بعد انڈیمان کو الوداع کہا ــــ اور ۹ دسمبر ۱۸۸۳ء کو ۱۸ سال دس ماہ کے بعد ۲۷ سال کا نوجوان ۴۴ سال دس ماہ کا ادھیڑ عمر ہو کر انبالہ پہنچا۔